Fikr-o-Nasar (Islamabad) 2:5-6 (1964)

افکار

اردو شاعر نے شیخ مدرسہ کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ

یہاں پگڑی اچھلتی ہے اسے میخانہ کہتے ہیں

انقلاب زمانہ سے اب شیخ الشیوخ مدرسہ اسلامیہ عربیہ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب رسالہ ''بینات'' بابت اکتوبر ۱۹۶۴ء میں یوں رقمطراز ہیں :—

'' اگر مدیر ماہنامہ '' فکر و نظر'' کو پگڑی اچھلوانا ہی پسند ہے تو ہم بادل ناخوستہ مرسلہ سوال نمبر ۱۷ کا جواب آنے کے بعد — کہ وہ اسی سے متعلق ہے — زیر بحث مقالہ کی ماخوذ تحریریں اور ان کے ماخذ کالم بہ کالم شائع کرنے کے لئے تیار ہیں ۔'' (ص ۳۰۲)

ہم عمامہ و دستار سے محرومی کے باعث حضرت مولانا کی دعوت قبول کرنے سے معذور ہیں ۔ امید ہے کہ وہ ہمیں اس سے معاف رکھینگے ۔ البتہ ان کے اصرار پر ہم ان کا گرامی نامہ اور وہ سوالنامہ شائع کر رہے ہیں جس کا ذکر انہوں نے پریشانئی افکار کے ذیل میں تحریر محولہ بالا میں کیا ہے ۔ سوالنامہ کی طوالت کے پیش نظر ہم اسے دو قسطوں میں شائع کر رہے ہیں ۔ اگلی قسط اور جواب نامہ کے لئے قارئین کرام سے زحمت انتظار کی درخواست کرتے ہیں ۔

— سقاف

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

ماضی قریب میں آپ سے دو ملاقاتوں میں تبادلہ خیالات ہوا اور زبانی گفتگو میں اچھے خاصے صاف ستھرے خیالات کا اظہار، اس لئے منسلکہ سوالات جناب کی خدمت میں پیش کرانے کی جرأت ہوئی ۔

محترم ڈاکٹر صاحب ! '' الحب فی اللہ و البغض فی اللہ '' سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے - اسی کے تحت جب شفاہی گفتگو کا خیال آتا ہے تو آپ کے کریمانہ اخلاق اور مصالحانہ خیالات کو دیکھ کر آپ سے انسیت پیدا ہوتی ہے مگر آپ کے قلم سے نکلا ہوا شائع شدہ مقالہ جب دیکھتے ہیں، تو شدید غم و غصہ دل و دماغ کو ماؤف کردیتا ہے - سوالات میں کہیں کہیں لب و لہجہ کی کرختگی اور تیزی و تندی اسی کا عکس ہے - زیادہ سخت فقرے سرخ روشنائی سے قلمزد کردیئے ہیں تاکہ ان کی اشاعت نہ ہو، مگر جناب والا ضرور دیکھ لیں تاکہ مجروح قلوب کی اذیت کا آپ کو احساس ہو -

ڈاکٹر صاحب، صحیح مسلم کی روایت ہے - '' من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ و ذلک اضعف الایمان '' آپ کے اس مقالہ نے دین کے ایک اہم ترین ستون حدیث رسول اللہ کو ہلا کر رکھ دیا ہے - اور آپ نے صحیحین تک کی روایتوں کو محض خیالی مفروضات کی بنیاد پر بے محابا مسترد کردیا ہے - دوسرے لفظوں میں ایک عظیم فتنہ کا دروازہ کھول دیا ہے - زبان و قلم ہی اپنے بس میں ہیں اس لئے ان سوالات میں خود آپ ہی کی تحریروں اور اعترافات سے اس مقالہ کی مضرتوں کی نشان دہی کی گئی ہے تاکہ آپ جوابات میں ان کی تلافی فرمادیں (جیسا کہ اس سے قبل تلخیص کے ذریعہ یہی کوشش کی گئی اور اس کا مفید نتیجہ برآمد ہوا) اور یہ سوالات و جوابات دونوں شائع ہوجائیں خواہ '' فکر و نظر '' میں خواہ '' بینات '' میں -

اس لئے از راہ کرم سوالات کا نمبر وار جواب ضرور دیجئے اور اس کے بعد خواہ فاطمی صاحب کو اشاعت کے لئے دیجئے - خواہ بذریعہ رجسٹری میرے پاس بھیج دیجئے -

خدا کرے یہ سوالات و جوابات اسی طرح غلطیوں یا غلط فہمیوں کے ازالہ کا ذریعہ بن جائیں جیسے ملاقات نے کافی حد تک ایک دوسرے کو قریب کردیا ہے - و ما ارید الا الاصلاح و ما توفیقی الا باللہ العلی العظیم -

والسلام

خادم محمد ادریس غفرلہ

جناب والا! آپ کے ایک طویل و عریض انگریزی مقالہ کا ترجمہ بعنوان ” تصورسنت ،، ماھنامہ فکر و نظر کی پانچ قسطوں میں شائع ہوا ھے۔ اس کو بنیت استفادہ بار بار پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کے دوران ایک طالب مسترشد کو مندرجہ ذیل اشکالات پیش آتے ھیں اوروہ جناب والا سے اپنے اشکالات حل کرنے کے لئے سوال کرتا ھے۔ امید ھے کہ جناب والا از راہ شفقت نہایت واضح الفاظ میں مختصر مگر ” جامع و مانع ،، اور ” تسلی بخش ،، جوابات تحریر فرمائیں گے ۔

سوال نمبر (۱) فکر و نظر قسط اول ص ۱۶ پر آپ فرماتے ھیں ۔

”اس میں تو شک نہیں کہ سنت نبوی کا اپنا ایک وجود تھا ،، ۔

” امت مسلمہ کی سنت رسول اللہ کی سنت پرمبنی تھی ،،۔ قسط دوم ص ۱۴

” خلیفہ ثانی حضرت عمر نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ انھوں نے بہت سی جگہوں پر لوگوں کو قرآن و سنت نبوی کی تعلیم کے لئے مامور کیا تھا ،، قسط اول ص ۱۵ ۔

از راہ کرم اس ” سنت نبوی ،، اور ”سنت رسول،، کی ایسی جامع و مانع تعریف فرمادیجئے ، جو سنت رسول کے جملہ مصادیق پر حاوی ہو اور ماسوائ سنت رسول اور کسی کی سنت پر صادق نہ آئے ۔ واضح ہو کہ ھم لفظ سنت کی لغوی تحقیق نہیں چاھتے ھمیں تو اسلامی تعلیمات میں اور آپ کے مذکورہ بالا اقتباسات میں جو لفظ ” سنت نبوی ،، اور ” سنت رسول ،، آیا ھے اس کی مختصر اور واضح الفاظ میں جامع و مانع تعریف مطلوب ھے ۔

سوال نمبر (۲) فکر و نظر قسط اول ص ۱۶ پر آپ فرماتے ھیں ۔

(۱) ”سنت رسول کا نظریہ ایک کارفرما اور عملی تصور تھا جو آغاز اسلام سے ھی موجود تھا اور ہر دور میں علی حالہ قائم رہا ،، ۔

(۲) ” مجموعۂ سنن جو آنحضرت نے چھوڑا وہ مقدار میں کچھ زیادہ نہ تھا اور نہ ھی وہ کچھ ایسا تھا جسے بالکلیہ صریح اور واضح کہا جاسکے ،، ۔

الف : ایک کارفرما اور عملی تصور جو ہر دور میں علی حالہ قائم رہا ہو، یہ کیسے ممکن ھے کہ وہ صریح اور واضح نہ ہو؟ اقتباس سابق میں آپ

فرما چکے ہیں کہ " امت مسلمہ کی سنت، رسول اللہ کی سنت پر مبنی اور اس سے ماخوذ تھی" (قسط دوم نمبر ۳۱) جو مجموعہ سنن خود صریح اور واضح نہ ہو، وہ مبنیٰ اور ماخذ کیسے بن سکتا ہے؟

از راہ کرم اس تضاد کو دور فرمائیے۔

ب: یہ مجموعہ سنن مقدار میں کچھ " زیادہ نہ تھا " اس کا تاریخی یا عقلی ثبوت دیجئے مگر وہ ثبوت "مفروضات" اور " احتمالات " پر مبنی نہ ہو۔

ج: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ۱۲ سال سے کچھ زائد مکی زندگی اور دس سال کی مدنی زندگی تمام تر عقائد و احکام الہیہ اور قرآن حکیم کی تعلیم و تبئین میں گذری ہے۔ قرآن اس کا شاہد ہے۔ ایسی صورت میں " مجموعۂ سنن جو آنحضرت نے چھوڑا وہ مقدار میں کچھ زیادہ نہ ہو" ہرگز باور نہیں کیا جاسکتا۔

فکر و نظر قسط پنجم میں آپ خود تصریح فرماتے ہیں:

" تمامتر ذخیرہ احادیث میں سے صرف اصولی یعنی عقائد و احکام کی احادیث تاریخی صحت کے اعتبار سے مشکوک ہیں" اگر آپ تمام ذخیرۂ احادیث کا تجزیہ فرمائیں تو اصولی احادیث بمشکل تمام احادیث کا دسواں حصہ ہوں گی۔ کسی بھی کتاب حدیث کی صرف فہرست ابواب دیکھ لیجئے، تجربہ ہوجائے گا۔ لہذا باقی تمام احادیث کا ذخیرہ جو اس وقت موجود ہے، اور آپ اس کی صحت کو تسلیم کرتے ہیں۔ اس کو دیکھتے ہوئے آپ کے اس بیان کو کہ مجموعہ سنت جو آپ نے چھوڑا وہ مقدار میں کچھ زیادہ نہ تھا کیسے باور کیا جائے۔

سوال نمبر (۳) قسط اول ص ۱۷ اور ۱۸ پر آپ فرماتے ہیں:

قیاس یہ کہتا ہے کہ " آنحضرت جو وفات کے وقت تک اہل مکہ اور عرب کی اخلاقی اصلاح کی شدید جدوجہد میں مصروف اور اپنی "قومی ریاست" کی تنظیم میں مشغول رہے، ان کو اتنا وقت ہی کہاں مل سکتا تھا کہ وہ زندگی کے جزئیات کے لئے قوانین مرتب فرماتے۔"

الف: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ مساعی اور جدوجہد کا مقصد اپنی قومی ریاست کی تنظیم تھا، جس میں آپ ص وقت وفات تک اس طرح مشغول و مصروف رہے کہ نوع انسانی کے لئے قوانین الہیہ مرتب کرنے کی فرصت ہی نہیں مل سکی۔

ب: ہر نبی کو فوق العادۃ علمی اور عملی، روحانی و نفسانی قوتیں اور غیر معمولی معجزانہ فکری و ذہنی توانائیاں اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطافرمائی جاتی ہیں - جن سے وہ اپنے فوق العادۃ فرض منصبی اور تبلیغ و تنفیذ احکام الٰہی کا فرض انجام دیتا ہے- خصوصاً وہ نوع انسانی کا محسن اعظم نبی جس کو قصر نبوت کی خشت آخریں کے عنوان اور رحمۃ للعالمین کے لقب سے سرفراز اور علم الاولین و الاخرین کے زیور سے آراستہ فرما کر دین الٰہی کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہے اور اس کی پیغمبرانہ مساعی اور معجزانہ جدوجہد کی کامیابی کا اعلان بھی " الیوم اکملت لکم دینکم " الایۃ میں فرمادیا گیا ہے، اس کے متعلق مذکورہ بالا قیاس قائم کرنے کی کوئی مسلمان جرأت کرسکتا ہے؟ یقیناً یہ کسی مستشرق کے قلم سے نکلا ہوا فقرہ ہے، جو بلا ارادہ اور بے اختیار آپ کے قلم سے ٹپک پڑا ہے - ورنہ یہ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب نبوت و تشریع احکام الٰہیہ کی اہمیت سے انکار ہے - اس کا جواب دیجئے -

اسی طرح اسی صفحہ پر آپ فرماتے ہیں :

" رسول کی سنت کی مثال نظری سطح پر ایک عمومی محیط تصور کی سی ہے، جو لازماً کسی مخصوص عنصر تک محدود نہیں ہوتی اور نہ کی جاسکتی ہے - نظریاتی سطح پر اس دعوے کی بنیاد اس حقیقت پر ہے کہ "سنت ایک تعاملی اصطلاح ہے -"

کیا یہ " حقیقت " سنت رسول کے حقیقی اور معین و مشخص وجود سے انکار نہیں ہے؟ یہی پانچویں مستشرق ڈاکٹر جوزف شاخت کا نظریہ ہے - وہ کہتا ہے -

" سنت رسول نسبتاً بعد کی پیداوار ہے - ورنہ ابتدائی عہد میں مسلمانوں کے نزدیک سنت سے مراد خود مسلمانوں کا عمل ہوا کرتا تھا " حالانکہ آپ خود اس کی تردید ذیل کے الفاظ میں فرماچکے ہیں -

" لیکن جہاں تک سنت رسول کے تصور کا سوال ہے، یہ بیان صحیح نہیں ہے - یعنی سنت رسول کا نظریہ ایک کار فرما اور عملی تصور تھا جو آغاز اسلام ہی سے موجود تھا اور ہر دور میں علی حالہ قائم رہا -"

از راہ کرم اس تضاد کو بھی دور کیجئے -
اسی طرح ص ۲۵ پر آپ فرماتے ھیں :

'' ھم نے اب تک یہ ثابت کردیا کہ (۱) صدر اسلام کے مسلمانوں کے نزدیک نظریاتی طور پر بلکہ کم و بیش عام طور سے '' سنت '' کا اطلاق '' سنت نبوی '' پر ھوتا تھا اور (۲) یہ نظریہ کہ مسلمانوں کا عمل سنت نبوی کے تصور سے کوئی الگ چیز تھا، قابل قبول نہیں -''

یہ دونوں فقرے ایک دوسرے کی ضد ھیں ورنہ اس کے معنی یہ ھوئے کہ سنت نبوی اور مسلمانوں کا عمل ایک چیز ھے، حالانکہ آپ نے نہایت بسط و تفصیل اور دلائل کے ساتھ لفظ سنت کے دو مفہوم بیان فرمائے ھیں - (۱) سنت رسول اور سنت نبوی (۲) امت مسلمہ کی سنت اسی کا نام آپ نے '' سنت جاریہ '' اور '' زندہ سنت '' رکھا ھے اور جابجا تصریح فرمادی ھے کہ :

'' صحابہ و تابعین اور قرن اول کے مسلمانوں نے کتاب و سنت کی روشنی میں جن احکامات کا استنباط کیا ھے، ان سب کا مجموعہ سنت کا مفہوم ثانی ھے ''
اس تضاد کو دور فرمائیے ورنہ لفظ سنت کے دو مفہوم و مصداق کے نظریہ سے دستبردار ھوجائیے -

سوال نمبر (۴) سنت رسول کے مصادیق و مشمولات پر آپ کے مذکورہ ذیل اقتباس سے کچھ روشنی پڑتی ھے - قسط اول ص ۱۵ ' یہ سمجھ لینا قطعاً خلاف عقل ھے کہ قرآن مجید رسول مقبول کے افعال و اعمال کو بیان کئے بغیر پڑھایا جاتا ھوگا - جبکہ آپ کے اعمال و افعال ھی ان تمام تحریکات کا پس منظرتھے- جن میں پالیسی، احکام اور فیصلے وغیرہ سب چیزیں شامل تھیں ' قرآن کریم کی تعلیمات کے ساتھ کوئی چیز اتنی مربوط نہیں ھے، جتنی رسول مقبول کی زندگی اور وہ ماحول وابستگی رکھتا ھے جس میں آپ ص زندگی بسر فرماتے تھے - اس بیسویں صدی میں یہ فرض کرلینا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے فوراً بعد جو لوگ آپ ص کے اردگرد تھے، وہ قرآن مجید اور آپ ص کی توضیحات میں اس قطعیت کے ساتھ فرق کرتے تھے کہ انھوں نے ایک یعنی قرآن کو تو

قائم رکھا اور دوسرے (یعنی سنت رسول) کو بالکل ترک کردیا - یعنی انہوں نے ایک کو دوسرے سے جدا سمجھا، محض " طفلانہ تخیل " ہوگا "

اس اقتباس میں آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ صرف افعال و اعمال اور توضیحات (اقوال) کو بلکہ پوری زندگی کو اس سنت رسول سے تعبیر فرماتے ہیں، جس کی تعلیم کے لئے خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق نے مختلف ممالک خصوصا عراق میں صحابہ کو مامور کیا تھا، صرف اس لئے کہ قرآن مجید کی تعلیمات کو سنت رسول سے الگ کرنا اور پڑھنا پڑھانا سمجھنا سمجھانا ناممکن ہے - نیز اس لئے کہ " آپ کے اعمال و افعال ہی ان تمام اسلامی تحریکات کا پس منظر تھے جن میں پالیسی، احکام اور فیصلے وغیرہ سب چیزیں شامل تھیں "-

ان اعترافات کے باوجود آپ کا یہ فرمانا کہ " مجموعہ سنن جو آنحضرت نے چھوڑا، وہ مقدار میں کچھ بہت زیادہ نہ تھا اور نہ ہی وہ کچھ ایسا تھا جسے بالکلیہ صریح اور واضح کہا جاسکے - فرمائیے یہ پیرانہ تخیل ہے یا طفلانہ؟ از راہ کرم اس تضاد کو بھی دور کیجئے -

سوال نمبر (۵) اسی صفحہ پر مشمولات سنت نبوی کے ذیل میں آپ لکھتے ہیں :

آپ نے اسلام کی ترقی کے لئے بہت کم ہی قانون سازی کی طرف توجہ فرمائی ہے خود قرآن مجید میں بھی اسلامی تعلیمات کا بہت تھوڑا سا حصہ ہے جس کا تعلق عام قانون سازی سے ہے "

قرآن و سنت کے متعلق آپ کے مذکور بالا الفاظ میں نہیں سمجھتا کسی مومن کا ایمان ان کے سننے کا متحمل ہوسکتا ہوگا -

حالانکہ آپ خود قسط دوم کے ص ۱۴ پر فرماتے ہیں : " امت مسلمہ کی سنت، رسول اللہ کی سنت پر مبنی اور اس سے ماخوذ تھی " نیز سنت کے مفہوم ثانی کے ذیل میں جابجا آپ نے یوں تصریح فرمائی ہے : " صحابہ، تابعین اور قرن اول کے مسلمانوں نے کتاب و سنت کی روشنی میں جن احکام کا استنباط کیا ہے، ان سب کا مجموعہ سنت کا مفہوم ثانی ہے " اور اس لحاظ سے "صحابہ اور

قرن اول کے مجتہدین کے اجتہادات، تعامل اور اجماع سنت (بمعنی ثانی) کے لازمی اجزا ہیں '' تو جب کتاب و سنت کی تعلیمات میں عام '' قانون سازی '' سے متعلق بہت ہی تھوڑا سا حصہ ہے '' تو ان حضرات نے فقہ اسلامی کے تمامتر ذخیرہ کے احکامات و قوانین کس طرح اور کہاں سے استنباط کیئے ؟ یقیناً آپ کہیں گے '' شخصی رائے سے '' (جیسا کہ آپ جابجا تصریح فرما رہے ہیں) تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اسلامی شریعت کے باقی تمام احکام و قوانین اس کے رسول کے بنائے ہوئے نہیں - کیا یہی آپ کا عقیدہ ہے؟ واضح رہے کہ اسلامی تعلیمات اور شرعی اصطلاح میں '' قوانین شرعیہ کے '' معنی ہوتے ہیں '' احکام شرعیہ '' -

ڈاکٹر صاحب! ہمارا اور تمام مسلمانوں کا تو عقیدہ یہ ہے کہ صحابہ اور ائمہ مجتہدین اسلامی شریعت کے ''قانون ساز'' نہ تھے بلکہ ''قانون الٰہی'' کی تعبیر و تشریح اور اس کو واقعات و جزئیات پر منطبق کرنے والے ''قانون‌دان'' تھے بالکل اسی طرح جیسے موجودہ زمانہ کی‌عدالتہائے عالیہ کے جج ''قانون‌ساز'' نہیں ہوتے بلکہ قانون کو عملی جامہ پہنانے والے اور واقعات و جزئیات پر منطبق کرنے والے '' قانون دان '' اور '' ماہرین قانون '' ہوتے ہیں- ''کتاب و سنت '' مکمل اسلامی قانون ہے اور صحابہ و ائمہ مجتہدین اس کے نافذ کرنے اور عملی صورت پہنانے والے ماہرین قانون الٰہی ہیں - واضح رہے کہ اجماع اور قیاس کی حجیت بھی کتاب و سنت پر ہی مبنی ہے، جیسا کہ آیت کریمہ '' فان تنازعتم فی شیءٍ فردوہ الی اللہ و رسولہ '' اس پر شاہد ہے -

بہر صورت آپ اپنے مذکورہ بالا قول کی کوئی ایسی وضاحت فرمائیں جو آپ کی تصریحات کے خلاف نہ ہو، اور اسی کے ساتھ اسلامی شریعت کے چند ایسے قوانین کا نام لیں جن پر '' کتاب و سنت '' مشتمل نہیں ہیں تا کہ دعویٰ مع ثبوت ہوجائے -

سوال نمبر (٩) قسط اول ص ١٥ پر آپ فرماتے ہیں :

'' درحقیقت جو شہادت موجود ہے، اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آنحضرت اساسی طور سے بنی نوع انسانی کے اخلاقی مصلح تھے '' -

کیا یہ وہی بات نہیں ہے جو یورپ کا ہر دشمن اسلام اور منکر نبوت مستشرق کہتا ہے ؟

ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مہبط وحی الہی ہونا اور آپ ص کی سنت یعنی " اقوال و اعمال " کی جامعیت آپ مذکورہ ذیل الفاظ میں خود تسلیم فرماچکے ہیں ۔

آپ ص کے اعمال و افعال ہی ان تمام تحریکات کا پس منظر تھے جس میں پالیسی، احکام اور فیصلے وغیرہ سب ہی شامل ہیں " ۔ بھلا ایک اخلاقی مصلح کو پالیسیوں، احکام اور فیصلوں سے کیا تعلق ؟

در حقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جن لوگوں نے "اخلاقی مصلح" کہا ہے وہ خدا اور اس کے رسول کی حاکمیت اور مسلمانوں کے نفوس و اموال پر خدا کے بعد رسول کے اقتدار اعلیٰ، تنفیذ حکم کی قوت اور تشریع احکام کے منصب کا انکار کرنا چاہتے ہیں، " اخلاقی مصلح " ہرگز قوت حاکمہ اور تشریع احکام کے منصب کا مالک نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس قرآن کی جو شہادت ہمارے سامنے ہے وہ تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف اخلاقی مصلح بلکہ اللہ تعالیٰ کے بعد " مطاع مطلق " اور مسلمانوں کے نفوس و اموال پر ولایت تامہ اور تنفیذ احکام کی اس اعلیٰ قوت کے مالک تھے کہ آپ ص کے فیصلوں سے انحراف ایمان و اسلام سے انحراف اور ارتداد کے مترادف ہے ۔ سنئے قرآن کی شہادتیں ۔

(۱) و ماکان لمؤمن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ و رسولہ امرا ان یکون لھم الخیرہ من امرھم ۔

(۲) فلا و ربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدون فی انفسھم حرجا مما قضیت و یسلموا تسلیما ۔

یہی نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ رب العالمین کی جانب سے " حکم بین الناس " اور قرآن یا اپنے اجتہاد کے مطابق فصل خصومات پر مامور تھے ۔ سنئے

(۱) فا حکم بینھم بما انزل اللہ ۔

(۲) فا حکم بین الناس بما اراک اللہ ۔

اس لئے ضروری ہے کہ آپ وہ '' موجود شہادت '' پیش فرمائیں جو موجود ہے ' اور اس کے بعد مذکورہ بالا عبارت کا ایسا مطلب بیان فرمائیں کہ آپ کے اور مستشرقین یورپ کے نظریات کے درمیان فرق واضح ہوجائے ۔

سوال نمبر (۷) آپ قسط اول ص ۲۷ پر امام شافعی علیہ الرحمہ کو '' حدیث کی عام تحریک کا علمبردار '' قرار دے کر ان کی مساعی کو ذیل کے الفاظ میں سراہتے ہیں :۔

امام شافعی کی فیصلہ کن کامیاب مداخلت نے '' اسلامی فکر کے دھارے کی آزاد روانی '' کو روک دیا جس کے نتیجہ میں '' اسلامی قانون فقہ کے لئے بنیادی اصول '' مرتب ہوگئے جنہیں بعد کی صدیوں میں پرکھا گیا۔ خصوصیت کے ساتھ ہمارے موضوع بحث کے سلسلہ میں اجماع کے متعلق تو ان کے دلائل '' سچ مچ '' نہایت ہی '' مہتم بالشان '' ہیں ۔

مگر ص ۳۰ پر آپ ان کو اسلامی قانون میں جمود پیدا کرنے اور ''فطری روانی '' کے روک دینے کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں ۔

'' امام شافعی کی روشن دماغی اور تیز طبعی نے ایک مشینی نظام تو پیدا کردیا' جس سے بلا شبہ ہمارے ازمنہ وسطی والے '' معاشرتی و مذہبی '' ڈھالچہ میں استحکام بھی پیدا ہوگا لیکن مستقبل میں اس کی وجہ سے '' جدت فکر اور تخلیق '' سے محروم ہوجانا پڑا ۔ ''

الف : از راہ کرم دو ٹوک الفاظ میں فیصلہ فرمائیے کہ امام شافعی علیہ الرحمہ کی کامیاب مساعی قانون شریعت اور فقہ اسلامی کے لئے مفید تھیں یا مضر؟

اور امام شافعی علیہ الرحمہ قابل تحسین و ستائش ہیں یا سزا وار توبیخ و سرزنش ۔

ب : آپ بظاہر مستقبل میں '' جدت فکر '' اور '' تخلیق افکار نو '' سے محروم ہوجانے کو عظیم محرومی سمجھتے ہیں اور اس کے دوبارہ احیا اور نشأۃ

ثالیہ کے حامی بلکہ علم بردار معلوم ہوتے ہیں ۔ اس لئے از راہ کرم بتلائیں کہ کیا '' جدت فکر '' اور '' تخلیق فکر نو '' بالفاظ دیگر فکر اسلامی کی آزاد روانی کا نتیجہ وہی عدم استحکام اور فقہ اسلامی کی بنیادوں میں تزلزل و انتشار اور اسی فوضویت (انارکی) کی صورت میں ظاہر نہ ہوگا ۔ جس کا اظہار آپ خود فرماچکے ہیں کہ '' ہر ملک کی سنت الگ تھی ۔ اہل مدینہ کی الگ اور اہل شام کی الگ اور اہل عراق کی سنت الگ تھی اور اہل حجاز کی الگ ، نہ صرف یہ بلکہ ایک ملک میں بھی سنت میں اختلاف تھا ۔'' اسی کا نام دینی اور مذہبی '' فوضویت '' ہے نیز کیا آپ '' سنت جاریہ '' اور '' زندہ سنت '' کو جنم دیکر اسلام اور فقہ اسلامی کو اسی فوضویت کا نشانہ بنانا چاہتے ہیں ۔

ج : بہر صورت نہ صرف ان دو عبارتوں میں تضاد ہے بلکہ یہ دونوں نظریے بالکل متضاد ہیں ۔ استحکام اور فقہ اسلامی کی بنیادوں میں استواری پیدا کرنے کے لئے ''فکر کی آزاد روانی '' اور '' جدت فکر و تخلیق افکارنو'' سے دست بردار ہونا ضروری ہے ، ورنہ استحکام اور استواری سے ہاتھ دھولینا اور فوضویت کو دعوت دینا لازمی ہے ۔

از راہ کرم اس تضاد کو تسلی بخش طریق پر رفع کیجئے ۔

سوال نمبر (۸) جناب والا قسط دوم ص ۱۳ کے مذکورہ ذیل اقتباس میں :

'' اس حقیقت میں شک و شبہ کی ذرا بھی گنجائش نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ابتداء اسلام سے موجود تھی ۔ در اصل یہ ایک بالکل فطری امر تھا کہ رسول اللہ صلعم کے حین حیات مسلمان آپ کے اعمال و اقوال کی نسبت خصوصاً اگر وہ امت کی فلاح و بہبود یا عام معاملات دنیا و دین سے متعلق ہوں ، باہم گفتگو کریں ۔ عرب جنہوں نے اپنے شعرا کے اشعار اور نظموں کو ، اپنے کاہنوں کے اقوال کو ، اپنے حکموں اور قبائلی سرداروں کے فیصلوں کو حفظ کر کے انہیں اخلاف تک پہونچایا ۔ اس ہستی کے اقوال و اعمال سے کس طرح غفلت برت سکتے تھے ، جسے وہ خدا کا رسول اور مہبط وحی الٰہی تسلیم کرتے تھے ۔ اس فطری امر کا انکار نہ صرف '' احمقانہ '' فعل ہے بلکہ در حقیقت اپنی ساری تاریخ کو جھٹلانے کے مترادف ہے ۔ ان کے لئے نئی سنت

یعنی رسول اللہ کی سنت اتنی اہمیت رکھتی تھی (اور اس کی اہمیت پر خود قرآن میں اتنا زور دیا گیا ہے) کہ اسے نظر انداز کردینا یا اس سے تجاہل برتنا مسلمانوں کے لئے ایک امر ناممکن تھا۔ جیسا کہ ہم نے اس مقالہ کے حصہ اول میں بیان کیا ہے - یہ حقیقت اسلام کی مذہبی تاریخ میں روز روشن کی طرح واضح ہے اس لئے اس سے انکار کرنے کی کوشش کسی بھی پہلو سے کی جائے ' خواہ مذہبی ہو خواہ تاریخی' ایک طفلانہ اور مضحکہ خیز کوشش ہے ۔ امت مسلمہ کی سنت رسول اللہ کی سنت پر مبنی اور اس سے ماخوذ ہے ۔

الف : عرب کی اس فوق العادۃ قوت حفظ و روایت اور ماحول کی جغرافیائی خصوصیت کے اعتبار سے ان کی مخصوص و منفرد فطرت کہ وہ اہم امور کو سینوں میں محفوظ کرتے تھے نہ کہ سفینوں میں - لکھنا نہ وہ جانتے تھے اور نہ اس پر ان کو اعتماد تھا۔ اعتراف کرنے کے بعد یہ تسلیم کرنا کہ وہ تمام ذخیرۂ سنت یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال' افعال' احکام' فیصلے' غزوات و محاربات کے احکام اور رسول اللہ کے شخصی احوال سیرت و اخلاق جو وحی الٰہی کا پرتو تھے۔ آپ کے صحابہ نے جو خالص عرب تھے ' یقیناً بجنسہ اپنے سینوں میں محفوظ کیا ہوگا - اپنی فطرت کے تقاضے سے بھی اور قرآن کے زور دینے کی بنا پر بھی - از راہ کرم بتلائیے کہ وہ ذخیرۂ سنت کہاں ہے اور کس شکل میں؟ اس لئے کہ '' ذخیرۂ احادیث کی تاریخی صحت تو آپ کے نزدیک مشکوک و مشتبہ ہے،، بلکہ آپ صراحتاً بیشتر احادیث کو زمانہ ما بعد یعنی عروج '' تحریک حدیث ،، کی پیداوار بتلاتے ہیں -

دوسری قسط ص ۱۵ پر آپ کا ارشاد ہے '' جیسے جیسے وقت گذرتا گیا ' معلوم ایسا ہوتا ہے گویا حدیث کی تحریک نے داخلی تقاضے سے مجبور ہوکر سلسلہ روایت کو پیچھے ہٹاتے ہٹاتے اس کے فطری مرکز و محور یعنے ذات رسالت مآب تک پہونچادیا ۔،،

اسی صفحہ پر چند سطر بعد آپ لکھتے ہیں :

لیکن اوائل عہد اسلام کے مسلمانوں کی اکثر فقہی آراء اور ان کے مذہبی عقائد جو زمانہ مابعد کی پیداوار تھے رسول اللہ کی جانب منسوب کئے جانے لگے ۔،،

قسط پنجم پر آپ فرماتے ھیں :

” درحقیقت بیشتر احادیث مجموعہ ھیں ان کہاوتوں جیسے مقولوں کا ' جن کی تراش خراش قرون اولی کے مسلمانوں کے ھاتھوں انجام پائی مگر انہیں ذات رسالت مآب کی جانب منسوب کردیا گیا - یہ نسبت بے بنیاد نہ تھی - اگرچہ ان مقولوں میں کہاوتوں کا اسلوب پایا جانا خود اس بات کی شہادت ھے کہ یہ نسبت تاریخی اعتبار سے مشکوک ھے -“

بہر صورت سنت رسول کا اتنا وافر ذخیرہ جو نہ صرف آپ ص کے اقوال و افعال بلکہ تمام شخصی احوال اور پوری زندگی کی تفصیلات پر حاوی ھے' مذکورہ بالا اقتباس کی بنا پر صحابہ کرام نے ضرور محفوظ کیا ھے اور احادیث و کتب احادیث آپ کی مذکورہ بالا تصریحات کے مطابق زمانہ مابعد کی پیداوار ھیں تو وہ ذخیرہ کہاں ھے ؟ نیز مذکور بالا اعتراف کے بعد آپ کا سابقہ بیان کہ ” مجموعہ سنن جو آنحضرت نے چھوڑا وہ مقدار میں کچھ بہت زیادہ نہ تھا “ کیونکہ باور کیا جاسکتا ھے ؟

علاوہ ازیں آپ بیشتر احادیث کو تاریخی وجوہ کی بنا پر مسترد کر رھے ھیں - کیا آپ کی یہ کوشش بقول آپ کے ” مضحکہ انگیز “ اور بقول ھمارے ” ماتم خیز و تاسف انگیز “ نہیں ھے ؟ از راہ کرم شائع شدہ مقالہ کو سامنے رکھ کر ان سوالات کا جواب دیجئے اور اشکالات کو حل کیجئے - غایت کرم ھوگا -

ب : آپ امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کی تاکید حفظ حدیث کے سلسلہ میں پیش کردہ مذکورہ ذیل پہلی حدیث ابن مسعود رضی اللہ کو جو صحیحین کی روایت ھے -

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: نضر اللہ امرأ سمع منی مقالۃ فحفظھا و دعاھا و امراھا کما سمعھا فرب حامل فقہ غیر فقیہ و رب حامل فقہ الی من ھو افقہ منہ -

کو آپ تاریخی حیثیت سے مشکوک قرار دے کر مسترد کردیتے ھیں - فرماتے ھیں :

"پہلی حدیث کو لیجئے اس بدیہی امر کے علاوہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے صحابیوں کے متعلق یہ فرمانا جیسا کہ حدیث کے پہلے حصہ میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ بعد میں آنے والوں کی نسبت تفقہ کی صفت سے محروم تھے ان کی تذلیل و اہانت کے مترادف ہے۔ یہ حدیث صرف اسی زمانہ میں ظہور پذیر ہوسکتی ہے جبکہ مسلمانوں میں اعلی درجہ کی فقہی ذہانت پیدا ہوئی اور عالم اسلام میں از مصر تا عراق فقہی آراء کے بہترین مذاہب نشو و نما پانے شروع ہوئے۔

از راہ کرم اول تو یہ بتلائیے کہ مذکورہ بالا اقتباس کی روشنی میں آپ کا "تاریخی وجوہ" کی بنا پر اس حدیث صحیحین کو مسترد فرمانا آپ ہی بتلائیے یہ کس قسم کی کوشش ہے "طفلانہ" یا "پیرانہ"، "حکیمانہ" یا "سفیہانہ"؟ بعد ازاں یہ بتلائیے کہ آپ کا یہ حدیث اس زمانہ میں پیدا ہوسکتی ہے الخ —— یہ کوئی تاریخی حقیقت ہے؟ یا ایک "خیالی مفروضہ" آپ ثبوت دیجئے کہ فلاں تاریخی واقعہ یا تاریخی حقیقت اس حدیث کی تردید کرتی ہے نیز کیا آپ کے خیال میں اسان نبوت سے بلا واسطہ احکام فقہ اور علل و اغراض تشریع کی تعلیم حاصل کرنے والے حاملین شریعت (صحابہ) سے بڑھ کر فقہی ذہانت کا مالک کوئی بھی عالم و فقیہ زمانہ ما بعد سنن میں پیدا ہوا ہے؟ آپ تاریخی حیثیت سے اس کا ثبوت دیجئے اور ان کا نام لیجئے۔ کیا یہی عقیدہ ہے آپ کا ان صحابہ کرام کے نفوس قدسیہ کے متعلق جن کے بارے میں قرآن کی شہادت یہ ہے۔

(۱) و الذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود فذلک مثلھم فی التوراۃ ومثلھم فی الانجیل، الایہ۔

(۲) لقد رضی اللہ من المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرہ، الایہ

(۳) ان الذین یبایعون انما یبایعون اللہ، یداللہ فوق ایدیھم

اس حدیث صحیح کے مسترد کرنے کی "داخلی شہادت" آپ کے خیال میں یہ ہے کہ اس حدیث سے صحابہ کرام کی توہین و تذلیل ہوتی ہے۔ یاللعجب

ثم العجب

ع بسوخت عقل تو حیرت کہ این چہ بوالعجبی است -

محترما! کیا کوئی بھی عقل سلیم رکھنے والا یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ رسول‌اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ فقہی ذہانت کے اعتبار سے یکساں اور برابر تھے - دراں حالیکہ ان میں ایسے صحابی بھی ہیں جو پورے عہد رسالت میں صرف ایک‌دو مرتبہ رسول‌اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں اور صرف چند روز رہے ہیں اور ایسے صحابی بھی ہیں جو مسجد نبوی کے صفہ میں ہی پڑے رہتے تھے اور شب و روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سفر و حضر میں موجود رہتے اور منبع علوم و معادن الہیہ سے سیراب ہوتے تھے اور ایسے صحابی بھی ہیں جن کی فقہی فہم و فراست کی بناء پر آپ ص نے ان کو صف اول میں اپنے قریب کھڑے ہونے کی تاکید فرمائی تھی۔ (لیلی منکم اولوالا حلام و النہی) اور بھی ایسے صحابہ ہیں جن سے علم اور تفقہ فی‌الدین حاصل کرنے کی اور صحابہ کو ہدایت فرمائی تھی بلکہ دین کے ہر ہر شعبہ میں حاذقین اور ماہرین کی آپ نے خود تشخیص و تعیین فرمائی تھی اور صحابہ میں ان کی علمی و فقہی برتری مسلم تھی اور خلفاء اربعہ کی باقی تمام‌صحابہ پر عظمت و فضیلت اور برتری تو عہد رسول اللہ صلی‌اللہ‌علیہ وسلم میں ہی مجمع علیہ اور مسلم تھی ایسی صورت میں رب حامل فقہ الی من ہو افقہ منہ کے حکیمانہ فقرہ کو صحابہ کی توہین و تذلیل کے مرادف سمجھنا بجز اس کے اور کیا کہوں) سخن شناس نہ ای دلبرا خطا اینجا است -

لائق احترام ڈاکٹر صاحب! کیا یہی وہ ”تاریخی معیار“ ہے جس پر تیرہ سو سال بعد آپ امت کو از سر نو ذخیرہ احادیث کی جرح و تعدیل کی دعوت دے رہے ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال‘ فعال اور احوال کو حفظ کرنا اور آپ کے لفظوں میں اس لئی سنت ”سنت رسول اللہ کو اپنے سینوں میں محفوظ کرنا عرب کا فطری تقاضہ تھا‘ اسی طرح رسول اللہ کا دین چونکہ تمام اقوام عالم کے لئے ہے اور آخری دین الہی ہے‘ اس لئے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی "کتاب اللہ" کے ساتھ ھی ساتھ حفاظت سنت و سیرۃ رسول اور حفظ و روایت احادیث کی ترغیب دلانے اور مصلحت سمجھانے کے لئے نضراللہ امرأ سمع مقالتی فحفظہا و دعاھا و امراھا کما سمعہا فرب حامل فقہ الی من ھو افقہ منہ، فرمایا جیسا کہ صحیحین ھی کی دوسری حدیث و یبلغ الشاھد الغائب میں "حاضرین" کو "غائبین" تک پہونچانے یعنی "روایت حدیث" پر مامور فرمایا ھے - یہ حکم (آرڈر) ھے اس لئے اس میں کسی فائدہ اور مصلحت کا ذکر نہیں فرمایا، وہ ترغیب ھے، اس لئے بشارت و خوشخبری کے ساتھ فائدہ اور مصلحت بھی سمجھادی - یہ وہ "حفاظت سنۃ و احادیث کا نظام" ھے جس کے تحت خدا کے رسول نے قیامت تک کے لئے تشریع احکام کے دوسرے "ماخذ" یعنی سنت کی حفاظت کا انتظام فرمایا اور چونکہ پیغمبرانہ بصیرت کے تحت یہ انتظام فرمایا تھا، اس لئے بحمد اللہ "سنت رسول" آج تک محفوظ ھے اور رھے گی، انشاء اللہ -

بہر صورت آپ کا مذکورہ بالا اقتباس آپ کی اس تمام تحقیق (ریسرچ) کے قطعاً منافی ھے، جس کے تحت آپ نے روایت حدیث کے سلسلہ کو ایک "تحریک" قرار دے کر "صحیحین کی قوی سے قوی تر سند والی احادیث" کو بھی مسترد فرمایا ھے - از راہ کرم اس کا جواب دیجئے -

سوال نمبر (۹) "تحریک حدیث" کی پوری تاریخ بیان کرنے اور احادیث صحیح پر ریسرچ (عملی جراحی) کرنے میں تو آپ مصروف ھیں مگر "سنت رسول" کی طرح "حدیث" یا "حدیث رسول" کی اصطلاحی تعریف کہیں نہیں فرماتے - از راہ کرم "حدیث" کی جامع و مانع اصطلاحی تعریف بھی بیان فرمائیے -

سوال نمبر (۱۰) آپ قسط سوم ص ۱۷ پر مندرجہ ذیل پیراگراف میں پوری قوت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشنگوئیوں کو نہ صرف تسلیم کرتے ھیں بلکہ از بس ضروری اور عظمت کی دلیل قرار دیتے ھیں -

"ھم اس پر ایک مرتبہ پھر زور دیں گے کہ ھم رسول اللہ کی آنے والے واقعات کے بارے میں پیشنگوئی کی قدرت کے منکر نہیں - یہ انکار کیسے ممکن

ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تاریخی عوامل کے ''عمل'' اور ''رد عمل'' کے بارے میں پیغمبرانہ بصیرت حاصل تھی بلکہ ہمارا تو یہ عقیدہ ہے کہ رسول اللہ کی عظمت کی بڑی دلیل یہ ہے کہ تاریخ میں جو مختلف اور متصادم ''قوتیں'' باہم برسر پیکار تھیں ان میں وہ عمیق بصیرت رکھتے تھے اور اس کو انہوں نے منزل من اللہ اخلاقی (صحیح دینی) نظام کو ترقی دینے میں استعمال کیا۔''

اور ص ۱۶ پر ذیل کے الفاظ میں آپ وہ معیار بتلاتے ہیں جس پر پوری اترنے والی پیشنگوئیوں کو آپ صحیح تسلیم کرتے ہیں۔

''یاد رہے ہم تمام پیشنگوئیوں کو رد نہیں کرتے بلکہ صرف ان کو مسترد کرتے ہیں جن میں بڑی حد تک تعین پایا جاتا ہے۔

مگر اس ''عقیدہ'' اور ''عقیدت'' کے باوجود آپ امام شافعی علیہ الرحمہ کی جمعیت حدیث کے لئے پیش کردہ حدیث ذیل کو جو یقیناً آنے والے زمانہ کے متعلق اہم پیشنگوئی ہے' بے محابا مسترد کردیتے ہیں۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا الفین احدکم متکأ علی اریکتہ یاتیہ امر من امری مما امرت اونہیت عنہ فیقول ماندری! ما وجدناہ فی کتاب اللہ ابتغاہ۔

یہ حدیث ہر حیثیت سے پیغمبرانہ بصیرت پر مبنی پیشنگوئی ہے اور آپ کے بیان کردہ معیار پر بالکل پوری ہے۔ نہ اس میں کوئی زمانی تعین ہے نہ مکانی نہ کسی مخصوص دن اور تاریخ کا اس میں تذکرہ ہے نہ کسی خاص جگہ یا فرد و جماعت کا نام ہے۔ اور قرن اول سے اس وقت تک ہر دور اور زمانہ میں منکرین حدیث کے وجود نے صادق مصدوق علیہ الصلوۃ والسلام کی اس پیشنگوئی کی تصدیق بھی کردی۔

اور اس سے بھی زیادہ ''مضحکہ خیز'' ''ماتم انگیز'' ہے وہ ''داخلی شہادت'' جس کی بنا پر آپ اس حدیث کو مسترد فرماتے ہیں۔ سنئے۔

'' اسی طرح دوسری حدیث بھی تحقیق کے معیار پر پوری نہیں اترتی کیونکہ وہ اس مفروضہ پر قائم ہے کہ کچھ ایسے لوگ بھی عہد رسالت میں

موجود تھے جن کے نزدیک صرف قرآن کو مان لینا کافی تھا اور سنت کا ملا مسترد کردینے کے لائق تھی -

کون عقل کا دشمن یہ کہہ سکتا ہے کہ اس حدیث کا مصداق صحابہ ہیں اور اس کلام کی صحت کے لئے صحابہ میں منکرین سنت کا وجود ضروری ہے - عربیت اور کلام اللہ و کلام الرسول سے ادنیٰ مس (علاقہ) رکھنے والا بھی جانتا ہے کہ یہ آنے والے زمانہ سے متعلق پیشنگوئی ہے اور اس کے وقوع کے شدت وثوق کو ظاہر کرنے کے لئے لا الفین کا لفظ آپ نے استعمال کیا ہے - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ''تاریخی عوامل کے عمل اور رد و عمل '' کی عمیق بصیرت کی بنا پر اپنی امت میں — یہود کی طرح — قرآن و سنت رسول اللہ کا انکار کرنے والے ایک گروہ کا وجود ناگزیر محسوس فرماکر امت کو اس خطرناک گروہ (منکرین حدیث) سے خبردار فرماتے ہیں اور اساس تشریع اسلامی یعنی کتاب سنت کی حفاظت پر اسی طرح آمادہ فرمارہے ہین جیسے قرآن حکیم نے آیت کریمہ مندرجہ ذیل میں یہود کی اس خباثت کا تذکرہ فرماکر قرآن پر ایمان لانےوالوں کو متنبہ فرمایا ہے -

اس قسم کی صدہا نظائر کتب و سنت سے پیش کی جاسکتی ہیں -

آپ اپنے مذکورہ بالا اقتباس و اعتراف کے تحت ہرگز اس حدیث کو جو یقیناً آنے والے زمانہ کے متعلق ایک پیشنگوئی ہے، مسترد نہیں کرسکتے -

(باقی آئندہ شمارے میں)